بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تربیتی خطاب

یہ تقریر مولاناؒ نے ۳۰ مئی ۱۹۶۵ء کو جماعت اسلامی حلقہ لاہور کی تربیت گاہ میں فرمائی۔

محترم رفقاء!

جماعتِ اسلامی اپنے ارکان اور اپنی جماعتی زندگی کے تزکیے کے لیے ہمیشہ چند خاص طریقے اختیار کرتی رہی ہے۔ اس غرض کے لیے ایک طرف خاص تربیت گاہیں قائم کی جاتی رہیں۔ دوسری طرف مقامی ہفتہ وار اجتماعات سے لے کر اضلاع، حلقوں اور پورے ملک کے اجتماعات تک ہر موقع پر ارکان کا اور خاص طور پر ذمہ داران جماعت کا محاسبہ کیا جاتا رہا۔ تاکہ جو کوئی بھی کمزوری جہاں کہیں بھی پائی جاتی ہو اس کا بروقت نوٹس لیا جائے۔ اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے، اور اگر جماعت میں کوئی ایسا فرد موجود ہو، جو اصلاح کو قبول نہ کرتا ہو۔ یا اس کے اندر

ایسی کمزوریاں ظاہر ہوئی ہوں جو جماعت کے نظم کے لیے قابل برداشت نہیں ہیں، تو اس کو بروقت جماعت سے خارج کر دیا جائے یعنی تزکیہ اور تطہیر دونوں ہوں۔ یہ ارکان جماعت کو صحیح راستے پر قائم رکھنے جماعت کو درست رکھنے کے لیے ضروری اور اہم چیز ہے۔ اس کے علاوہ جماعت کا کام بجائے خود ایک اہم ذریعۂ تربیت ہے، اس سے ارکان جماعت کی تربیت پورے معاشرے میں ہوتی ہے۔ جماعت کی دعوت کو پھیلانا، خلق خدا کی اصلاح کے لیے کوشش کرنا، خدمت خلق، دعوت الی اللہ کا کام، یہ ساری چیزیں وہ ہیں جو ہمارے کارکنوں کو اللہ کی راہ میں کام کرنے کے لیے تیار کرتی ہیں۔ انہی میں ان کی خوبیاں بھی ظاہر ہوتی ہیں کہ ہم ان سے فائدہ اٹھائیں اور ان کی کمزوریاں بھی ظاہر ہوتی ہیں کہ ہم ان کی اصلاح کریں۔

ہم دنیا میں کسی انسان اور کسی گروہ کے دشمن اور مخالف نہیں ہیں۔ ہم صرف ان برائیوں کے دشمن ہیں جو اس معاشرے میں ایک مدت دراز سے پرورش پاتی رہی ہیں۔ ہماری جو کچھ بھی عداوت ہے وہ شر سے ہے افکار کی گمراہیوں اور اخلاق کی خرابیوں سے ہے۔ ہم ان برائیوں کے دشمن ہیں نہ کہ ان لوگوں کے، جو ان میں مبتلا ہیں۔ ان سے تو ہمیں ہمدردی ہے اور ان کی ہمدردی ہی ہمیں اس پر مجبور کرتی ہے کہ انہیں ان برائیوں اور ان کے برے نتائج سے بچانے کی کوشش کریں۔ اس کام میں اگر ہم اصلاح کی خاطر کبھی سخت طریقہ بھی اختیار کرتے ہیں تو وہ دشمن کا سا نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک ڈاکٹر کا سا ہوتا ہے جو مجبوراً کسی موقع پر مریض کے ساتھ سختی بھی کرتا ہے۔ وہ سختی اخلاص کی بنا پر ہوتی ہے اور وہ کبھی جائز تعمیری تنقید کے حدود سے تجاوز نہیں کرتی۔ اگر ہم نے کسی برائی کو نمایاں

پیش کرے کیا تو اس لیے نہیں کہ کسی کو ذلیل کریں یا بدنام کریں۔ بلکہ اس لیے کہ برائیوں کی طرف توجہ ہو۔ اور اصلاح کی ضرورت کا احساس پیدا ہو جائے۔ اس کارِ خیر کے لیے ہم اس دعوے کے ساتھ نہیں اٹھے ہیں کہ ہم فرشتے ہیں۔ اس دعوے کے ساتھ نہیں اٹھے ہیں کہ ہم اس قوم کے صالح ترین لوگ ہیں۔ ہم تو اس ارادے سے اٹھے ہیں کہ اپنی اصلاح بھی کریں اور اس معاشرے کو بھی راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں جس میں ہمیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے جس کے بگاڑ سے ہمارا بگاڑ اور جس کے سنوار سے ہمارا سنوار وابستہ ہے جو اگر کبھی خدانخواستہ اپنی برائیوں کی وجہ سے عذاب کا مستحق ہو گیا۔ تو ہم بھی اس عذاب سے نہ بچ سکیں گے۔ اس لیے ہم اپنے آپ کو بھی اور اپنے بھائی بندوں کو بھی خدا کے غضب اور اس کے عذاب اور برائیوں کے برے نتائج سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں اس کوشش میں ہم اپنی تربیت بھی کرتے ہیں اور خلقِ خدا کو بچانے کی فکر بھی کرتے ہیں۔

برادرانِ عزیز! ہم سب کو پہلے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ جو کام ہم کرنے اٹھے ہیں وہ کیا ہے؟ اور وہ حالات کیا ہیں جن میں ہم کو یہ کام کرنا ہے اور ہمیں اس کام کو انجام دینے کے لیے اصلاح کی کیا کوشش اپنے اندر اور کیا کچھ اپنے باہر کرنی چاہیے۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، اول روز سے جماعت اسلامی کے پیشِ نظر یہ امر ہے کہ پورے نظامِ زندگی کو تبدیل کیا جائے جو خدا سے بے نیازی پر چل رہا ہے اور اس کو از سرِ نو خدا کی بندگی اور اللہ کے رسولوں کی لائی ہوئی تعلیمات کے مطابق درست کیا جائے۔

جماعت اسلامی کسی محدود جزوی مقصد کے لیے کام نہیں کر رہی۔ اگر کوئی شخص اس زمانے میں جبکہ شیطان کی بندگی ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف بلاتا ہے، اور صرف کلمہ ہی لوگوں کو پڑھواتا ہے تو بھی وہ بہر حال ایک نیکی کا کام کر رہا ہے۔ برائی کا کام نہیں کر رہا۔ شیطان کی طرف بلانے والے کے مقابلے میں اللہ کی طرف بلانے والا، بہر حال ہمیں عزیز ہے کیونکہ وہ ہمارا ہی کام کر رہا ہے۔ ہم اس کے مخالف نہیں ہیں اور اس کی کوششوں کا خیر مقدم کرتے ہیں، چاہے وہ ہماری کوششوں کو غلط بھی کہتا ہو، اور ان کا مخالف بھی ہو پھر بھی ہم اس کے مخالف نہیں ہیں۔ وہ بہر حال لوگوں کو شیطان کے راستے پر نہیں بلا رہا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی علمِ دین کی تعلیم کی کوشش کر رہا ہے تو وہ بھی ہمارا ہی کام کر رہا ہے۔ ہم اس کے کام کی مذمت نہیں کرتے بلکہ اس کے خیر خواہ ہیں اس کے کام کی تعریف کرتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اس کام میں برکت دے۔

جماعتِ اسلامی کا مقصد

مگر ہمارے پیشِ نظر جو چیز ہے وہ نظامِ زندگی کی بحیثیت مجموعی اصلاح اور پورے نظامِ زندگی کو دینِ حق کی بنیاد پر قائم کرنا ہے۔ یہی وہ اصل مقصد ہے جس کے لیے انبیاء ہمیشہ سے بھیجے جاتے رہے اور اس مقصد کے لیے کام کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص سچے دل سے اسلام کو دینِ حق مانتا ہے تو اس کی لازمی طور پر کوشش یہ ہونی چاہیے کہ یہی دین حق اس کا اور تمام اس معاشرے کا جس میں وہ رہتا ہے اور پوری انسانیت کا جو اس زمین پر آباد ہے دین بنے اور اسی کے

اوپر پوری زندگی کا نظام قائم ہو۔

انبیاء علیہم السّلام کسی جزوی اصلاح کے لیے نہیں آئے تھے۔ بلکہ کلی اصلاح کے لیے آئے تھے۔ وہ اس لیے آیا کرتے تھے کہ خدا سے بے نیازی اور بغاوت ختم ہو اور اس کی جگہ خدا کی صحیح بندگی اور اس کا قانون شرعی دنیا میں رائج ہو۔

جماعت اسلامی اس کے سوا اور کوئی مقصد نہیں رکھتی۔ یہ مقصد اس وقت تک پورا نہیں ہوسکتا جب تک کہ زمام کار کی تبدیلی واقع نہ ہو۔ اس چیز کو اوّل روز سے جب سے جماعت اسلامی قائم ہوئی ہے، بار بار لوگوں کے سامنے واضح کیا گیا ہے کہ لیڈر شپ جس چیز کو کہتے ہیں وہ زندگی کے میدان میں فیصلہ کن شے ہے، اور لیڈر شپ کسی محدود چیز کا نام نہیں ہے، اس میں سیاسی لیڈر شپ بھی ہے اور ذہنی لیڈر شپ بھی۔ فکری لیڈر شپ بھی آتی ہے اور اخلاقی لیڈر شپ بھی۔ جو لوگ پورے نظام زندگی کو کنٹرول کرتے ہیں جن کے دیے ہوئے فلسفوں پر لوگوں کے ذہن تیار ہوتے ہیں۔ جن کے مرتب کیے ہوئے علوم پر لوگوں کی ذہنیتیں بنتی ہیں، جن کے مقرر کیے ہوئے اصولوں اور جن کے بنائے ہوئے طریقوں کے مطابق زندگی کے مختلف شعبوں کی تشکیل ہوتی ہے، جن کے ہاتھوں میں قانون سازی ہوتی ہے، جن کے ہاتھ میں معاشی زندگی کی باگیں ہوتی ہیں، انہی کی مجموعی قیادت اجتماعی زندگی میں اصل فیصلہ کن طاقت ہوتی ہے۔ یہ لیڈر شپ جب تک تبدیل نہ ہو اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے کہ نظام زندگی کو تبدیل کیا جا سکے۔ اور جب تک نظام زندگی خدا سے پھرے ہوئے لوگوں کے ہاتھ میں رہتا ہے، اس وقت اہلِ ایمان کے لیے بس اتنی ہی گنجائش رہ جاتی ہے جتنی وہ چھوڑ دیں۔

جس حد تک وہ مسلمان کی زندگی بسر کرنے کا موقع دیں۔ اسی حد تک ہم مسلمان کی زندگی بسر کر سکتے ہیں، اور جتنا زیادہ وہ دائرے کو سکیڑتے جائیں گے، اسلامی زندگی کا دائرہ بھی لازماً اتنا ہی سکڑتا جائے گا۔ اگر ہم نہ بھی چاہیں گے تب بھی خدا کے دین کے خلاف ہم کو چلنا پڑے گا۔ کیونکہ نظامِ زندگی کے چلانے والے جدھر لوگوں کو سیلاب کی طرح بہائے لے جا رہے ہوں کسی آدمی کے لیے ممکن نہیں ہے کہ قدم جما کر اس سیلاب میں ٹھہر بھی سکے۔ کجا کہ وہ اس کے خلاف چل سکے۔ لہٰذا جب تک پورے نظام کو تبدیل کرنے کی تیاری نہ کی جائے، اور ہر شعبے میں تبدیلی لانے کی جدوجہد نہ کی جائے کسی جزوی اصلاح کی کوشش سے وہ حالات نہیں بدل سکتے جو پورے معاشرے میں چھائے ہوئے ہیں۔ لوگوں کو خواہ مخواہ یہ غلط فہمی ہے کہ محض ایک سیاسی اقتدار ہی کی تبدیلی ہمارے پیشِ نظر ہے۔ حالانکہ ہمارے پیشِ نظر یہ ہے کہ ہر شعبۂ زندگی میں دین کو غالب کیا جائے۔ اس مقصد کو سامنے رکھ کر جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہم کن حالات میں کام کر رہے ہیں، تو ہم کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ جو کام ہمارے پیشِ نظر ہے وہ جوئے شیر لانے سے زیادہ سخت ہے۔ پہاڑوں کو کاٹنا اور ان سے نہریں نکالنا زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ اس کام کو کیا جائے۔ یہ کوئی ہلکا اور آسان کام نہیں ہے۔

اس کام کی وسعت اور مشکلات

ایک طرف آپ دیکھتے ہیں کہ پورا نظامِ تعلیم جن بنیادوں پر قائم کیا گیا ہے وہ لاکھوں انسانوں کو روز بروز اپنے ڈھنگ پر ڈھالتا ہے اور پھر وہی لوگ

جو اس نظام سے تیار ہوتے ہیں پورے نظام زندگی پر حاوی ہوتے چلے جاتے ہیں۔ معاشی زندگی کی گاڑی وہی چلاتے ہیں، قانون ساز وہ بنتے ہیں، وہی عدالت کی کرسیوں پر بیٹھتے ہیں، وہی انتظامی شعبوں کو سنبھالتے ہیں، وہی تجارت کا کاروبار کرتے ہیں، وہی صنعت و حرفت چلاتے ہیں، انہی کے ہاتھ میں قوم کی معاشرتی زندگی ہوتی ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے نظریات کو اس نظام تعلیم نے تبدیل کر دیا ہے اور جن کے ذہن اسی نظام نے تیار کیے ہیں ان کے ہمہ گیر اقتدار اور تسلط کی موجودگی میں زندگی کا پورا نقشہ لامحالہ اسی طرز پر بنے گا جو اس نظام تعلیم کے نظریات اور فلسفوں پر مبنی ہو۔ اس نقشے میں کوئی تبدیلی اس وقت تک نہیں لائی جا سکتی، جب تک کسی طاقت ور علمی و فکری تحریک کے ذریعے سے خیالات اور افکار و ذہن کو نہ بدل دیا جائے۔

دوسری طرف آپ دیکھیے کہ اس نظام زندگی نے جو مغربی تہذیب کی بنیادوں پر قائم ہوا ہے، کتنے بڑے پیمانے پر لوگوں کے اخلاقی نقطہ نظر اور ان کی اقدار کو بدلا ہے اور کس تیز رفتار کے ساتھ وہ ان کو مزید بدلتا چلا جا رہا ہے۔ جن چیزوں کو دین نہایت برا سمجھتا ہے ان کو اس نظام نے ثقافت اور تہذیب اور عین شائستگی بنا رکھا ہے، جن چیزوں کو دین بہترین کاموں میں شمار کرتا ہے وہ سب رجعت پسندی، ملائیت اور مولویت قرار پا گئی ہیں۔ عوام کی اقدار اگرچہ اس حد تک نہیں بدلی ہیں، لیکن اس فاسد تہذیب کے ہمہ گیر تسلط نے ان کی عادات اور ان کے مذاق و مزاج کو بری طرح بگاڑ دیا ہے۔ یہ کیفیت روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

فتنے کی ہمہ گیری

جن لوگوں نے تقسیم ملک کے بعد آنکھیں کھولی ہیں۔ وہ اس فرق کو محسوس نہیں کر سکتے۔ لیکن جو لوگ پہلے سے یہاں جی رہے ہیں، وہ یقینی طور پر محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت کے ہمارے طور طریقوں اور ہماری معاشرتی زندگی کے نظام میں اسلامی تہذیب سے انحراف اتنا شدید نہیں تھا، جتنا تقسیم کے بعد ہوا اور روز بروز ہو رہا ہے۔ اسی طرح معاشی حیثیت سے دیکھیے تو ہماری پوری معاشی زندگی پہلے سے کئی گنا زیادہ سودی نظام میں پھنس چکی ہے۔ نہ صرف سودی نظام بلکہ معاملات کی تمام وہ صورتیں جن کو شریعت اسلامی حرام قرار دیتی ہے شدت کے ساتھ پھیلتی چلی جا رہی ہے، یہاں تک کہ حلال و حرام کی تمیز ختم ہو گئی ہے اور ایک آدمی کے لیے حلال کی روٹی کمانا پہلے سے کہیں زیادہ مشکل ہو گیا ہے۔ اب کسی آدمی کے لیے حرام سے بچنا اور حلال پر اکتفا کرنا محال تر ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس معاشی زندگی نے رفتہ رفتہ لوگوں کو مادہ پرستی میں بتلا کر دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو زندگی میں صرف ایک ہی شے مطلوب ہے اور وہ مادی خوشحالی ہے۔ دولت کے پیچھے ہر چیز قربان کرنے کے لیے تیار رہیں۔ خواہ وہ عزت و آبرو ہو یا دین و ایمان۔ یہ کیفیت بھی روز بروز بڑھ رہی ہے۔

اندازہ کیجیے کہ جہاں ذہن بھی بگڑ جائیں اور اخلاقی قدریں بھی تبدیل ہو جائیں اور زندگی کی عادات بھی غیر اسلامی ہو جائیں، جہاں فسق و فجور پھیل جائے، فواحش کی کثرت ہو جائے، لوگوں میں حرام و حلال کی تمیز اٹھ جائے، تو ایسی جگہ سے زیادہ

ناموزوں جگہ اسلامی نظام کے لیے اور کون سی ہو سکتی ہے۔ یہ حالت جتنی زیادہ بڑھے گی، اسلامی نظامِ زندگی کا قیام اسی قدر ناممکن ہوتا چلا جائے گا، اس لیے اگر ہم یہاں اسلامی نظام زندگی قائم کرنا چاہتے ہیں تو یہ کام محض اس خواہش کے اظہار سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہمیں اس پوری صورت حال کو بدلنے کی کوشش کرنی ہوگی ورنہ ہماری یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔

سیاسی حیثیت سے دیکھیے تو یہ تصویر اور بھی زیادہ حوصلہ شکن نظر آتی ہے۔ ہمارے ملک پر ان لوگوں کا تسلّط بڑھتا چلا جا رہا ہے، جو اپنے مفاد کو دنیا کی ہر چیز کے مقابلے میں زیادہ قیمتی سمجھتے ہیں۔ ایمان ہو یا اخلاق، انسانیت ہو یا شرافت ہر چیز کو وہ اپنے مفاد کے مقابلے میں پامال کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ ضمیر بیچنے کے لیے گاہک ہزاروں ہیں، اور ضمیر خریدنے والے کے لیے ہر طرف بکاؤ مال پھیلا ہوا ہے۔

مایوس نہ ہوں

ان حالات کو دیکھ کر بسا اوقات آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ یہاں وہ تبدیلی کیسے لائی جا سکتی ہے، جو ہمارے پیش نظر ہے۔ لوگوں پر ایک مایوسی کی سی کیفیت طاری ہوتی چلی جا رہی ہے۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اب اس بگاڑ کو درست کرنا کسی طرح ممکن نہیں۔ مگر میں آپ سے کہتا ہوں کہ اس راہ میں جتنی مشکلات بھی حائل ہیں ان کا زیادہ سے زیادہ مبالغہ آمیز تصوّر کرنے کے بعد بھی ہر صاحبِ ایمان آدمی کو یہ سوچنا چاہیے کہ کیا میں ان حالات کے مقابلے میں

سپر ڈال دوں ؟ یہ سیلاب جدھر بہہ رہا ہے، ادھر جانے کے لیے کیا میں اپنے آپ کو چھوڑ دوں، تاکہ یہ مجھے بھی بہالے جائے اور میری آئندہ نسلوں کو بھی بہا لے جائے ؟ یا میرا یہ کام ہے کہ اس کے مقابلے میں جدوجہد کروں، خواہ جدوجہد کرتے ہوئے میرے ہاتھ پاؤں بھی ٹوٹ جائیں۔ ان دونوں میں سے کسی ایک چیز کا انتخاب اب ناگزیر ہو گیا ہے۔ ہر آدمی کو اپنی جگہ اب یہ سوچنا چاہیے کہ اگر ان حالات کو دیکھ کر میرے اوپر مایوسی طاری ہوتی ہے تو کیا اس مایوسی کا تقاضا یہ ہونا چاہیے کہ میں اس بگاڑ کے سامنے سپر انداز ہو جاؤں اور اسے قبول کر لوں ؟ جدھر دنیا بہہ رہی ہے ادھر میں بھی بہہ جاؤں۔ اپنی اولاد کو بہنے دوں ؟ اور پورے معاشرے کو بھی بہنے دوں ؟ جس تباہی کی طرف یہ لیے جا رہے ہیں کیا ادھر جانے کے لیے میں بھی تیار ہو جاؤں۔ ؟

اگر کوئی مومن جس کے اندر ایمانی حس موجود ہے، اس کے لیے تیار نہیں ہے تو پھر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ بہر حال اس کی مزاحمت کرے اور جس قدر طاقت بھی اللہ تعالیٰ نے اسے دی ہے، اس کو اصلاح کی کوشش میں صرف کر دے۔ خواہ نتیجے میں کامیابی حاصل ہو یا نہ ہو۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ انبیاء علیہم السلام کے اوپر بھی یہ ذمہ داری نہیں ڈالی گئی تھی کہ وہ دنیا کی حالت کو ضرور ہی بدل کر ہی چھوڑیں۔ ان کی ذمہ داری صرف یہ تھی کہ وہ اصلاح کی دعوت دیں اور بگاڑ کو سنوارنے کی کوشش کریں۔ برائیوں سے روکنا اور بھلائیوں کی طرف دعوت دینا تو انسان کے لیے ممکن ہے لیکن برائی کو واقعی مٹا دینا اور بھلائی کو قائم کر دینا، مومن کی ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اس کی مرضی

اگر یہ ہے کہ وہ اس قوم کو تباہ ہونے سے بچائے۔ تو ہماری کوششوں میں برکت فرمائے گا۔ اور اگر اس کی مرضی یہ نہیں ہے تو خواہ ہم دنیا کے نقطہ نظر سے ناکام ہو جائیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ہم ناکام نہیں ہوں گے، بشرطیکہ ہم نے کوشش کا حق ادا کر دیا ہو۔

آج ان حالات کو دیکھ کر لوگوں کے ذہن پر مایوسی کی کیفیت طاری ہو رہی ہے اور میں اکثر لوگوں سے بات کرتے ہوئے محسوس کرتا ہوں کہ وہ سخت افسردگی میں مبتلا ہیں۔ مجھے خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ میرے اور میرے ساتھیوں کے اوپر بھی طاری نہ ہو جائے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ حالات کی محض مایوس کن تصویر ہی کو نہ دیکھیں بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی غور کریں کہ اگر ہم ان حالات کے آگے سپر ڈالنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور اس انجام تک خود جانے کے لیے اور آئندہ نسلوں اور اپنے معاشرے کو دھکیلنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ جو لازمی طور پر ایسے بگاڑ کا انجام ہوا کرتا ہے، تو ہمارے لیے اصلاح کی کوشش کے سوا چارۂ کار ہی کیا رہ جاتا ہے۔ اصلاح کر دینا ہماری ذمہ داری نہیں ہے۔ ہمارا کام صرف یہ ہے کہ اپنی حد تک اس کی کوشش کریں۔ اور اس کوشش میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں اور نتائج کو اس کے حوالے کر دیں۔ وہ کامیابی عطا فرمائے تو اس کی عنایت، اگر کامیابی عطا نہ فرمائے تو دنیا کی ناکامی کا نام اصل ناکامی نہیں ہے۔ آخرت کی ناکامی ہی اصل ناکامی ہے۔ اور آخرت کی ناکامی ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو اصلاح کی کوشش کر کے اس دنیا میں ناکام رہیں وہ اس دنیا میں ناکام رہ کر بھی آخرت میں ناکام نہیں ہیں۔

کام کرنے کا فطری طریقہ

اس نقطۂ نظر کو اپنے ذہن میں اچھی طرح پیوست کر لینے کے بعد دوسری بات جو آپ کو سمجھنی چاہیے، وہ یہ ہے کہ جن کو اصلاح کی کوشش کرنی ہو انہیں اندھا دھند کام نہیں کرنا چاہیے۔ ہمارے اوپر جس کوشش کو فرض کیا گیا ہے، اس کے معنی اندھا دھند کام کرنے کے نہیں ہیں کہ آدمی یوں ہی ہاتھ پاؤں مارتا چلا جائے، بلکہ اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ حکمت کے ساتھ کام کیا جائے، معاملہ فہمی کے ساتھ قدم اٹھایا جائے۔ اور قانون فطرت کے مطابق اصلاح کی جو تدبیر ہو سکتی ہے اس کو اختیار کیا جائے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر آپ آگ جلانا چاہیں تو آپ کو سوکھی لکڑیاں جمع کرنا ہوں گی، دیاسلائی فراہم کرنی ہوگی پھر یہ خیال رکھنا ہوگا کہ جن لکڑیوں کو دیاسلائی آپ لگا رہے ہیں، ان کو ہوا ملے، تاکہ وہ بھڑک سکیں۔ یہ قانون فطرت ہے۔ آدمی کسی ایسے طریقے سے آگ لگانا چاہیں جو قانون فطرت کے مطابق نہیں ہے، تو اس کا نام آگ جلانے کی کوشش کرنا نہیں ہوگا بلکہ اسے صرف حماقت یا جہالت ہی کا نام دیا جا سکتا ہے! اسی طرح اگر ہم نظام زندگی کے بگاڑ کی اصلاح کرنا چاہیں تو ہمیں لازماً فطری قوانین کے مطابق ہی کام کرنا ہوگا۔

فطری قوانین کے مطابق کام کرنے کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں۔

ایک یہ کہ آپ اس بگاڑ کی نوعیت اور وسعت اور اس کے بنیادی اسباب کو سمجھیں، جس کی آپ کو اصلاح کرنی ہے۔

دوسرے یہ کہ آپ وہ طریقے اختیار کریں جو اس طرح کے اور ایسے وسیع بگاڑ

کے لیے کارگر بھی ہوں اور آپ کے امکان میں بھی ہوں۔

تیسرے یہ کہ آپ خود اپنے آپ کو ـــــ اس حد تک تیار کریں کہ اس کارِ عظیم کو انجام دینے کے قابل ہو سکیں۔

کارکنوں میں کیا اوصاف مطلوب ہیں

پہلے دو امور کے متعلق جماعت کے لٹریچر میں مفصل بحثیں موجود ہیں اور تربیت گاہوں کے نصاب میں بھی ان کا بڑا حصّہ شامل کیا گیا ہے۔ یہاں مجھے صرف تیسری چیز کے متعلق آپ سے کچھ کہنا ہے۔

دین کا صحیح فہم

حضرات یہ بات خوب ذہن نشین کر لیجیے کہ جو لوگ یہ کارِ عظیم انجام دینے کے لیے اٹھیں ان کا کام یہ ہے کہ پہلے خود اپنے آپ کو اس کے لیے تیار کریں۔ انفرادی حیثیت سے بھی اور اجتماعی حیثیت سے بھی۔ خوب جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق کے بعد اگر کوئی چیز ہمارے لیے کامیابی کا ذریعہ ہو سکتی ہے تو وہ ہمارے اپنے ہی اوصاف ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق بھی اسی صورت میں آتی ہے جبکہ ہم اپنے اندر وہ اوصاف پیدا کریں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی تائید آیا کرتی ہے۔

ہماری ان تربیت گاہوں کا نظام اور اجتماعی تنظیم کے جو طریقے ہم نے قائم کر رکھے ہیں' ان کا مقصد یہی ہے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے اپنے اندر

وہ اوصاف پیدا کریں۔ اگر وہ اوصاف ہم اپنے اندر پیدا نہیں کریں گے تو ظاہر بات ہے کہ جس اصلاح کے لیے ہم جا رہے ہیں۔ اس کے ہم اہل اور موزوں نہیں ہو سکتے۔

ان اوصاف میں پہلی چیز اسلام کا صحیح فہم ہے جس چیز کو آپ قائم کرنے جا رہے ہیں آپ کو جاننا چاہیے کہ وہ چیز بجائے خود کیا ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں اسلام کو قائم کرنا چاہتے ہیں اور پورے کے پورے اسلام کو نافذ دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ وہ پورا کا پورا اسلام ہے کیا۔ اس کی تعلیمات کیا ہیں، زندگی کے مختلف پہلوؤں میں اس کی ہدایات کیا ہیں، اور وہ کیا نظریۂ زندگی ہمیں دے رہا ہے۔ یہ چیز جتنی صحیح طور پر ہم جانیں گے اتنا ہی صحیح طور پر اسے قائم کریں گے۔ اس لیے ہماری اوّلین توجہ جس بات پر ہونی چاہیے وہ دین کا زیادہ سے زیادہ صحیح فہم ہے۔ دین کا صحیح فہم حاصل کرنے کے لیے مولوی بن جانا ضروری نہیں ہے۔ تمام علوم دینی کی تحصیل اگرچہ مطلوب ہے لیکن دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کے لیے اتنی زیادہ تعلیم کی حاجت نہیں ہے۔ جتنی علوم دین کے عالموں کو دی جاتی ہے، اور جس کی ضرورت اپنی جگہ مسلم ہے۔ عام آدمیوں کے لیے دین کا اتنا ہی علم ضروری اور کافی ہے۔ جتنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے بدوؤں کو حاصل ہوتا تھا۔ وہ کوئی بڑی کتاب خوانی نہیں کرتے تھے۔ لیکن ان کو دین کا ایک ایسا خلاصہ معلوم ہو جاتا تھا جس سے وہ یہ جان لیتے تھے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ وہ برائیاں کیا ہیں جنہیں ہم مٹانا چاہتے ہیں۔ اور وہ اچھائیاں کیا ہیں جنہیں ہم قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس چیز کو آدمی جب تک اچھی طرح سمجھ نہ لے اس وقت تک وہ اس کام کا حق ادا نہیں کر سکتا اور اس چیز کو سمجھنے کے لیے کچھ بہت زیادہ وقت صرف کرنے

اور درس و تدریس کی حاجت نہیں۔

ہماری تربیت گاہ میں سب سے زیادہ جس بات پر زور دیا جاتا ہے وہ یہی ہے کہ اس میں شریک ہونے والے ہر شخص کو دین کا صحیح فہم حاصل ہو جائے۔ اس زمانے میں خاص طور پر جس بات کو جاننے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ موجودہ دور کی ضلالتیں اور گمراہیاں اور فتنے کیا ہیں اور کن دروازوں سے آ کر یہ آفتیں لوگوں کے عقائد و افکار اور اخلاق و کردار پر مسلط ہوتی ہیں۔ ایک طرف ان چیزوں سے آدمی ٹھیک ٹھیک آگاہ ہو جائے۔ اور دوسری طرف اس کو ٹھیک ٹھیک یہ بھی معلوم ہو جائے کہ دین کی وہ تعلیمات و ہدایات کیا ہیں جن کو ان برائیوں کے مقابلے میں لا کر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد ہی آدمی آگے کوئی قدم اٹھانے کے قابل ہو سکتا ہے۔

پختگی ایمان

دین کا صحیح فہم حاصل کرنے کے بعد دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ ہم اپنے دل میں ایمان کو زیادہ سے زیادہ پختہ کرنے کی کوشش کریں۔ یہ زمانہ ایسا ہے جس میں ہر وقت انسان کے ایمان کو متزلزل کرنے والی طاقتیں کام کر رہی ہیں بعض اوقات بڑے پختہ ایمان کے آدمی کو بھی ایسے حالات سے سابقہ پیش آجاتا ہے جن میں ایک دفعہ تو اس کا ایمان ہل جاتا ہے۔ اس لیے ہمیں اس بات کی طرف متوجہ رہنا چاہیے کہ ہمارے ایمان میں تزلزل نہ آنے پائے۔ آج مسلمان رہنے کے لیے بڑے مضبوط اور پختہ ایمان کی ضرورت ہے اور اس سے زیادہ پختہ ایمان اس کام کے لیے درکار ہے جسے انجام دینے کے لیے آپ اٹھے ہیں۔ بس ایک دفعہ رَبُّنَا اللّٰہ کہہ دینے سے

کام نہیں چلتا۔ اس کے بعد ثُمَّ اسْتَقَامُوْا بھی ضروری ہے۔ تب کہیں تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰۤئِكَةُ کی نوبت آتی ہے۔

اپنا مقصدِ زندگی

تیسری ضروری چیز یہ ہے کہ ہم اعلائے کلمۃ اللہ کو محض جماعت کا مقصد نہیں بلکہ خود اپنا مقصد زندگی قرار دے لیں۔ "اپنے مقصد زندگی" کی اہمیت کو اچھی طرح نگاہ میں رکھیں۔ یہ مقصد محض جماعت کا مقصد نہیں، آپ کا اپنا ذاتی مقصد زندگی ہو۔ بسا اوقات آدمی اسے جماعت کا مقصد زندگی سمجھتا ہے۔ اپنا مقصد زندگی نہیں سمجھتا۔ اور اس کا نتیجہ کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ آدمی جماعت کے لیے کام کرتے ہوئے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ جماعت پر کوئی احسان کر رہا ہے یا کم از کم یہ کہ وہ جماعت کو کچھ دے رہا ہے۔ حالانکہ اگر یہ اس کا اپنا مقصد زندگی ہو تو اس کے ذہن میں کبھی یہ خیال بھی نہیں آسکتا کہ میں جماعت پر کوئی احسان کر رہا ہوں، یا اس کو کچھ دے رہا ہوں۔ وہ تو یہ محسوس کرے گا یہ میرا کام ہے۔ جماعت نہ ہوتی تب بھی مجھے کرنا تھا اور جماعت نہ رہے تب بھی مجھے کرنا ہوگا کیونکہ یہ میرا مقصد زندگی ہے۔ یہ چیز نہایت اہم ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لیجیے جس وقت تک آدمی اس مقصد کو اپنا مقصد زندگی قرار نہیں دیتا، وہ صحیح طور پر اس راستے میں کام نہیں کر سکتا۔ اپنا مقصد زندگی قرار دینے کے بعد اگر فرض کیجیے وہ جماعت کو چھوڑ بھی جائے تو وہ اس مقصد کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ اس مقصد کے لیے اس کی تڑپ باقی رہتی ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کا اپنا بچہ بیمار ہو جائے تو

اس کا اپنا مقصد ہوگا کہ وہ اس کا علاج کرائے اور اس کی زندگی کو بچانے کی کوشش کرے۔ کسی اور کے بچّے کے لیے جانے والا تو یہ کہہ سکتا ہے کہ صاحب مجھ پر کوئی فرض ہے کہ میں جاکر کوشش کروں۔ وہ جاکر اپنے گھر بھی بیٹھ سکتا ہے لیکن جس کا اپنا بچّہ بیمار ہو وہ کبھی چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔ وہ اس مقصد کو کبھی چھوڑ نہیں سکتا کہ اپنے بچّے کی جان بچائے۔ اسی طرح جو شخص اسے اپنا مقصد زندگی قرار دے گا وہ اس پر مضبوطی کے ساتھ چلے گا۔ جماعت ہو یا نہ ہو۔

یک رنگی

اس کے بعد چوتھی ضروری چیز یہ ہے کہ ہم اپنے اندر سے دورنگی اور تناقض کو نکال دیں۔ اگرچہ میں اس بات کو جانتا ہوں کہ اس زمانے میں انسان کے لیے یک رنگ ہونا سخت مشکل ہے۔ آدمی کوشش بھی کرے تو پوری طرح یک رنگ نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایک وہ دورنگی ہے جو ایک معاشرے میں گھرے ہوئے ہونے کی وجہ سے آپ کی زندگی میں بالکل ناگزیر طور پر آجاتی ہے، اور ایک وہ دورنگی ہے جو آپ خود اختیار کریں۔ جس پر آپ راضی ہوں یا جسے آپ پسند کریں۔ یہ دو چیزیں بالکل الگ ہیں۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک آدمی یکایک جب اس کو ہوش آئے تو محسوس کرے کہ وہ ایک گندے پانی کے تالاب میں گر پڑا ہے۔ اس حالت میں وہ مجبور رہے کہ اسی گندے پانی میں ہاتھ پاؤں مارے۔ کیونکہ جب تک وہ اس میں ہاتھ پاؤں نہ مارے گا اس سے نکل نہ سکے گا۔ وہ اپنی جگہ سمجھتا ہے کہ یہ گندی ہے، اسے پاک پانی مطلوب ہے، وہ گندے پانی میں

پڑے رہنے کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ نہ پسند کرتا ہے کہ اس پانی کا ایک قطرہ بھی اس کے حلق میں چلا جائے۔ وہ برابر ہاتھ پاؤں مارتا رہتا ہے یہاں تک کہ کوشش کر کے نکل آتا ہے۔ یہ وہ صورتحال ہے کہ اس کے اندر طہارت کے ساتھ گندگی مل رہی ہے۔ طہارت آپ کے قلب میں ہے۔ گندگی باہر ہے۔ یہ ایک ناگزیر مجبوری ہے۔ ایک ایسی حالت ہے جس سے فوراً نکل آنا آپ کی طاقت سے باہر ہے۔ اس سے نکلنے کے لیے آپ کو لامحالہ اسی گندے پانی میں ہاتھ پاؤں مارنے پڑیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کوشش میں آپ ڈوب جائیں۔ لیکن آپ کا قلب پاک رہے گا وہ نہیں ڈوبے گا۔ اس کے برعکس ایک وہ آدمی ہے جو اسی پانی کو پسند کرتا ہے، اسی میں رہنا چاہتا ہے۔ اسی گندگی کے اندر خود اپنے آپ کو آلودہ کرنا پسند کرتا ہے۔ یا کم از کم اس پر قانع رہتا ہے اور اس سے نکلنے کی نہ کوئی خواہش رکھتا ہے نہ کوشش کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں آدمیوں کی پوزیشن یکساں نہیں۔

ہم جو کچھ چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہمارے رفقاء ان میں سے پہلی حالت میں رہیں اور دوسری حالت میں مبتلا ہونے سے بچیں۔ ان میں دانستہ دورنگی نہ آنے پائے مجبوری کی بات الگ ہے۔ آپ کو کوشش کرنی چاہیے کہ آپ اپنے کو یک رنگ بنائیں۔ جس چیز کو آپ باطل کہتے ہیں اس کو خود اپنی زندگی سے بھی خارج کر دیں۔ اور جس کو حق کہتے ہیں اس کو اپنی زندگی میں بھی قائم کریں۔ آپ کی زندگی میں تناقض اور تضاد نہیں پایا جانا چاہیے۔ جتنا تناقض ایک شخص کی زندگی میں قائم ہوگا، اس کے قول اور عمل بے اثر ہوں گے۔ اگر دوسروں کی اصلاح کے لیے آپ کوشش کرتے جائیں اور آپ کی اپنی زندگی میں کھلا کھلا تضاد اور قول و عمل کا فرق پایا جاتا ہو، تو ظاہر

بات ہے کہ آپ کا قول بے اثر ہو جائے گا۔ لوگ آپ کے منھ پر کہہ دیں گے کہ آپ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ۔ اس وجہ سے جہاں تک بھی ہو سکے اپنے آپ کو تناقض اور تضاد سے بچانے کی کوشش کریں۔ جو کچھ آپ کہتے ہیں، وہی کچھ آپ کریں۔ جن نظریات کو آپ پیش کرتے ہیں ان کی جھلک اور ان کا عکس آپ کی زندگی میں نظر آنا چاہیے اور فی الواقع جس جگہ اس سے مختلف کوئی چیز پائی جاتی ہو، وہ بالکل مجبوری کے درجے میں ہونی چاہیے۔ صرف اس مقام پر ہونا چاہیے جہاں اس سے بچنا آدمی کے بس میں نہ ہو۔

علم و عمل کی استعداد

اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ آپ اپنے آپ کو ان قابلیتوں سے آراستہ کرنے کی کوشش کریں جو اس کام کو دنیا میں انجام دینے کے لیے درکار ہیں جتنا زیادہ علمی حیثیت سے آپ اپنے آپ کو تیار کریں گے اتنا ہی زیادہ لوگوں کی اصلاح کے لیے آپ کام کر سکیں گے اور اتنے ہی زیادہ آپ اس قابل ہو سکیں گے کہ اگر نظامِ زندگی تبدیل ہو جائے تو اس کو چلا سکیں۔ آج اگر نظامِ زندگی یکایک تبدیل بھی ہو جائے تو ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ اس کو چلا سکیں۔ ہمیں اپنے آپ کو اس کے لیے تیار کرنا ہوگا علمی حیثیت سے بھی اور اخلاقی حیثیت سے بھی۔ غرض ہر حیثیت سے ہمیں مستعد ہونا چاہیے کہ ہم جس چیز کو قائم کرنا چاہتے ہیں اسے قائم کرنے کے ہم قابل ہوں۔

حکمت

اس کام کے کرنے کے لیے خاص طور پر جس قابلیت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ حکمت اور دانائی ہے۔ دنیا میں خدا کا دین بے وقوفوں کے ہاتھ سے نہ پہلے قائم ہوا ہے نہ اب قائم ہوگا۔ یہ نادانوں کے کرنے کا کام نہیں، یہ سمجھ دار اور معاملہ فہم لوگوں کے کرنے کا کام ہے۔ وہ جس معاشرے میں کام کرتے ہیں اس کی کمزوریوں سے خوب واقف ہوتے ہیں جس شخص سے بات کرتے ہیں پہلے اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر کسی آدمی کو آپ نہ سمجھتے ہوں اور غلط طریقے سے تبلیغ کر کے یہ چاہیں کہ اسے کسی سیدھے راستے کی طرف لائیں تو الٹا اسے گمراہی کی طرف دھکیل دیں گے یہ کام عقلمندی سے کرنے کا ہے۔ حکمت اگر لوگوں میں نہ ہو تو وہ بنتے کام کو بگاڑ دیتے ہیں۔ اور اگر حکمت ہو تو بگڑے کام کو سنبھال لیتے ہیں۔ یہ وہ چیز ہے جس کو ہمیں قرآن سے سمجھنا چاہیے، حضورؐ کی سیرت سے سمجھنا چاہیے۔ صحابہ کرام نے جس طرح دنیا میں یہ کام کیا ہے اس کا مطالعہ کر کے اپنے آپ کو تیار کرنا چاہیے۔ پھر اس کے ساتھ دنیا کے معاملات کو چلانے کے لیے جو عقل اور دانائی درکار ہے اس کو بھی اپنے اندر نشوونما دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جماعتی زندگی میں ہر شخص کو دیکھتے رہنا چاہیے کہ ہم میں سے کوئی آدمی حکمت کے خلاف کام نہ کرنے پائے۔ غلط اور غیر حکیمانہ طریقے سے اگر کوئی کام کر رہا ہو تو بروقت اس کو سنبھالیں، بروقت اس کو متنبہ کریں کہ یہ طریقہ حکمت کے خلاف ہے۔ اس طرح پوری جماعت کے اندر حکمت اور دانائی کی صلاحیتیں نشوونما پاتی ہیں۔ ایک آدمی خواہ وہ کتنا ہی حکیم و دانا ہو، وہ بہرحال اس پر قادر

نہیں کہ وہ ہر وقت حکمت کے بلند معیار پر قائم رہ سکے۔ لیکن اگر ایک جماعت اپنے اندر حکمت رکھتی ہے اور اس کی اہمیت کو جانتی ہے اور اس کی تربیت پائی ہوئی ہو تو جہاں کہیں انفرادی کوششوں سے حکمت میں کوئی نقص پایا جائے گا جماعت بحیثیت مجموعی اس نقص کی تلافی کر دے گی۔

صبر

اس کام کے لیے جہاں حکمت درکار ہے، وہاں دوسری چیز جو اتنی ہی اہمیت رکھتی ہے وہ صبر ہے۔ اس سے پہلے بھی میں بارہا جماعت کے لوگوں کو بتاتا رہا ہوں اور ہمیشہ تاکید کرتا رہا اور کرتا رہوں گا کہ حکمت اور صبر، یہ دو صلاحیتیں اپنے اندر خاص طور پر پیدا کریں۔ جس آدمی کے اندر صبر نہ ہو، جو بے صبری اور جلد بازی سے کام کرنا چاہتا ہو، وہ کبھی کسی بڑے مقصد کے لیے کام کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً یہ کام جس کے لیے ہم اٹھے ہیں اور جن حالات میں اٹھے ہیں، ان حالات میں تو صبر کے سوا کام چل ہی نہیں سکتا۔ صبر ہمیں اس لحاظ سے بھی درکار ہے کہ یہ کام ایک طویل مدت تک پتّا مار کر مسلسل محنت اور کوشش کیے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس لحاظ سے بھی درکار ہے کہ ہر ہر قدم ہمیں حالات کو سمجھ کر موزوں وقت پر اٹھانا ہے، جلد بازی کر کے کام بگاڑنا نہیں ہے۔ اور اس لحاظ سے بھی درکار ہے کہ ہمارے راستہ میں جو مزاحمتیں پیش آتی ہیں ان کے مقابلے میں اگر ہمارے اندر تحمل اور بردباشت نہ ہو تو بجائے اس کام کے کہ ہم اصلاح کا کام کریں، الٹا بگاڑ کا کام کر جائیں گے۔ ایک آدمی کے اندر یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ وہ سخت سے سخت

مخالفت اور سخت سے سخت اشتعال انگیز حالت میں اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھے۔ معاملات کو سمجھ کر یہ رائے قائم کرے کہ مجھے کس وقت بولنا چاہیے اور کیا بولنا چاہیے۔ جو بات کرنے کی نہیں وہ ہرگز آپ کی زبان سے نہ نکلے، خواہ کتنی ہی اشتعال انگیزی سے کوئی پیش آئے۔ جو بات جس وقت جتنی کہنی ہو اس وقت اتنی ہی بات کہیں اور اس سے آگے اپنی زبان پر قفل چڑھا لیں خواہ کتنی ہی مخالفت سے سابقہ پیش آئے۔ شیطان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ دین کا کام کرنے والوں کو غصہ دلائے۔ وہ مختلف طریقوں سے بھڑکاتا ہے۔ مگر دین کا کام کرنے والوں کا طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ ضبط کریں، برداشت کریں تحمل سے کام لیں۔ جو وقت جس کام کے کرنے کا ہو اسی وقت وہ کام کریں۔ اس کے خلاف کوئی ایسا کام نہ کر بیٹھیں جو نقصان دہ ثابت ہو۔ جو وقت زبان کھولنے کا ہو، اسی وقت زبان کھولیں۔ قطع نظر اس کے کہ دوسرا کیا کہتا ہے۔ برسوں آپ گالیاں کھاتے رہیں اور ان کا جواب نہ دیں۔ اس کے بغیر آپ کوئی کام نہیں کر سکتے۔ گالی کے جواب پر آپ گالی پر اتر آئے تو اپنے کو خراب کر لیں گے۔ الزام کے جواب میں آپ الزام تراشیوں پر اتر آئے تو آپ اسی مقام پر کھڑے ہوں گے جس مقام پر آپ کے مخالف ہیں۔

قربانی

اسی کے ساتھ ایک دوسری صفت یہ ہمیں درکار ہے کہ ہم اپنے اندر قربانی کا جذبہ پیدا کریں۔ قربانی ہر شے کی، قابلیتوں کی قربانی، مال کی قربانی

محنت کی قربانی، غرض اپنی ہر شے کی قربانی۔ اگر ہم اعلائے کلمۃ اللہ کے مقصد کو مقصد زندگی قرار دے لیں تو کسی قربانی میں بھی ہم دریغ نہ کریں گے۔ جب تک کوئی شخص اس کو مقصد زندگی قرار نہیں دیتا اس کے لیے یہ قربانی بڑی مشکل ہے۔ لیکن جب اسے آپ مقصد زندگی قرار دے لیں گے تو قربانی سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ آدمی کے لیے سب سے زیادہ جو قربانی سخت ثابت ہوتی ہے وہ مال کی قربانی نہیں۔ وقت کی قربانی نہیں، محنت کی قربانی نہیں، بلکہ وہ قابلیتوں کی قربانی ہے۔ ایک آدمی جب یہ محسوس کرتا ہے کہ میں ایسی قابلیت رکھتا ہوں کہ دنیا میں ہزاروں کما سکوں، یا ایسی قابلیت رکھتا ہوں کہ معاشرے میں چمک جاؤں تو پھر اس کے لیے یہ برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان تمام مواقع کو جو دنیا میں اس کی کامیابی کے موجود ہیں، چھوڑ کر اس کام میں اپنی ساری صلاحیتیں صرف کر دے۔ ایک آدمی پیسہ دے سکتا ہے، وقت دے سکتا ہے، لیکن اپنی ساری قابلیتوں کو لا کر ایک ایسے کام میں کھپانے کے لیے تیار نہیں ہوتا جو بظاہر اس دنیا میں بنجر نظر آتا ہے، جس میں اپنی قابلیتوں کو کھپانے کے بعد چٹنی روٹی بھی مشکل سے میسر آتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں آکر آدمی کا حقیقت میں امتحان ہوتا ہے کہ کس حد تک اس کو اس مقصد سے لگاؤ ہے۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اپنے اندر اس جذبۂ قربانی کو بیدار کریں۔ اگر ہم اس جذبۂ قربانی کو بیدار کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو حقیقت میں اس مقصد عظیم کی بہت بڑی خدمت ہو گی۔ قربانی کی جتنی بھی کمی ہمارے اندر ہو گی یہ کام اتنا ہی سست اور کمزور ہو گا۔ اور جتنی زیادہ ہمارے اندر اسپرٹ ہو گی اتنا ہی زیادہ یہ کام بڑھے گا۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جماعت اسلامی کے کارکنوں کی تعداد اتنی کم ہے مگر وہ بڑا کام کرتے ہیں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اگر قربانی کا جذبہ ہمارے اندر پیدا ہو جائے تو اپنی موجودہ تعداد کے لحاظ سے ہزار گنا زیادہ کام ہم کر سکتے ہیں۔

حقیقت میں ہمارے اندر قربانی کی بہت بڑی کمی ہے اور ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنا جائزہ لے کر دیکھتا رہے کہ میں فی الواقع خدا کی راہ میں کتنی قربانی کر رہا ہوں۔ اس قربانی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آپ اندھا دھند چھلانگ لگا دیں۔ شریعت الٰہی نے یہ مطالبہ آپ سے نہیں کیا ہے کہ اندھا دھند چلا جائے۔ خوب سوچ سمجھ کر اپنے حالات کا اچھی طرح سے جائزہ لے کر ہر آدمی کو یہ سوچنا چاہیے کہ ان حالات میں میری ذات اور میرے متعلقین کے لیے کم از کم کیا مطلوب ہے۔ جس کے لیے مجھے لازماً یہ کوشش کرنی چاہیے جتنا کچھ اسے مطلوب ہے، اس حد تک آدمی کو اکتفا کرنا چاہیے اس سے زیادہ اگر کوئی چاہے تو اوسط درجے کے معاشرت کے لیے جس حد تک مطلوب ہے اپنی ذات کے لیے وہ ضرور کوشش کرے کیونکہ لنفسك عليك حق اس کے اعزّہ کا بھی اس پر حق ہے' اس کے بال بچوّں کا بھی حق ہے۔ ان کی زندگی کو تلخ نہیں کرنا ہے۔ شریعت یہ نہیں چاہتی کہ آدمی کی زندگی غیر معتدل اور غیر متوازن ہو۔ لیکن بہرحال آدمی کو یہ سوچنا چاہیے کہ کس حد تک میرے لیے اور میرے اہل و عیال کے لیے ایک اوسط درجے کی زندگی کے لیے کافی ہے۔ جس حد تک کافی ہے اس پر اکتفا کرے اور اپنی قابلیتوں اور اپنی محنتوں اور اپنے مال کو جس حد تک اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے اس کی راہ میں خرچ کرے۔ اگر یہ روش اختیار کرنے میں کامیاب ہو جائیں اور

ہر شخص اپنے حالات کا جائزہ لے کر یہ رائے قائم کرلے کہ اتنا کچھ میرے لیے ناگزیر ہے جس کو میں اپنی ذات کے لیے اور اپنے اہل وعیال کے لیے کروں گا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی راہ میں کام کروں گا تو آپ یقین رکھیے کہ جو تعداد ہماری اس وقت ہے اس تعداد کے ساتھ بھی ہم موجودہ حالت کی بہ نسبت بہت زیادہ کام کرسکتے ہیں۔

اجتماعی اوصاف

یہ وہ اوصاف ہیں جو انفرادی طور پر مطلوب ہیں۔ جو اوصاف اجتماعی طور پر مطلوب ہیں ان کو بھی نگاہ میں رکھیں اور ذہن نشین کرلیں۔

باہمی محبت

کوئی جماعت دنیا میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی، جب تک کہ اس میں شریک ہونے والے ایک دوسرے کے ساتھ محبت نہ رکھیں۔ محض میل جول کافی نہیں ہے۔ حقیقت میں ان کو ایک دوسرے کے ساتھ محبّت ہونی چاہیے اور محبت اس کو نہیں کہتے کہ آپ جس شخص کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اس کے متعلق دل میں کوئی بری رائے رکھتے ہوں یا کوئی براخیال رکھتے ہوں اور پھر ظاہری برتاؤ میں محبت کا اظہار کریں۔ اگر آپ دل میں کوئی براخیال رکھتے ہوں تو اس برے خیال کے ساتھ محبت کبھی جمع نہیں ہوسکتی۔ نہ بری رائے کے ساتھ محبت جمع ہوسکتی ہے۔ یہ محبت وہ چیز ہے جو ایک کو دوسرے کے ساتھ چسپاں کرتی ہے اور محبّت کی کمی لوگوں کو ایک دوسرے سے پھاڑتی ہے۔ ایک بنیان مرصوص وہی جماعت ہوتی ہے

جس کے اندر کسی آدمی کے دل میں ایک دوسرے ساتھی کے متعلق کوئی برائی موجود نہ ہو اگر اس کی کوئی بات بری معلوم ہو تو وہ دل میں نہ رکھیں۔ لیکن دوسروں کے سامنے بھی نہ کہیں بلکہ اس شخص سے کہیں کہ تمہارے اندر یہ کمزوری پاتا ہوں۔ وہ یہ بھی محسوس کرے کہ یہ آدمی میری کمزوری کو لذت لینے کے لیے بیان نہیں کر رہا ہے۔ یہ اس بات پر خوش نہیں ہو رہا ہے کہ میرے اندر یہ کمزوری ہے، بلکہ اس کے دل میں میرے لیے ہمدردی ہے اور یہ محض اخلاص کی بنا پر بات مجھ سے کہہ رہا ہے۔ اس طرح سے کہیے کہ اس کے دل میں زخم نہ لگے اس کی اصلاح تو محبت کی بنا پر ہوگی۔ اگر آپ کے دل میں اس کے متعلق برائی ہے اور آپ اسے دوسروں کے سامنے بیان کرتے ہیں تو یہ محبت کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہو سکتی اور کوئی ایسی جماعت جس کے لوگ ایک دوسرے کے متعلق بری رائے رکھتے ہوں اور ایک دوسرے کی برائی دوسروں کے سامنے کرتے ہیں، وہ جماعت کبھی جماعت کی حیثیت سے قائم بھی ہوگی، تو وہ دنیا میں کبھی کوئی بھلائی قائم نہ کر سکے گی۔ باہمی محبت، اخلاص، خیر خواہی جماعتی زندگی کے لیے اوّلین ضرورت ہے۔ جب کبھی آپ اپنے اندر اس کی کمی محسوس کریں تو آپ اسے دور کرنے کی فکر کریں۔ اس چیز کی کمی کی تلافی کبھی کوئی دوسری چیز نہیں کر سکتی۔ آپ کے اوپر روپے کی بارش بھی ہو جائے تو اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

نظم وضبط

جماعتی زندگی کے لیے دوسری ضروری چیز نظم وضبط اور سمع وطاعت ہے۔

کوئی جماعت دنیا میں مضبوط نہیں ہوسکتی جب تک اس کے اندر نظم موجود نہ ہو۔ ڈسپلن نہ ہو، قاعدے اور ضابطے کی پابندی نہ ہو اور اپنے اصحاب امر کا حکم ماننے کی صلاحیت نہ ہو۔ کوئی ایسی فوج جس کو معرکے کے لیے پکارا جائے اور وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے، کوئی دھاوا نہیں مار سکتی۔ کوئی ایسی فوج جس کے اندر ڈسپلن موجود نہ ہو کوئی کام نہیں کرسکتی۔ پس باہمی محبت اور اخلاص کے ساتھ دوسری ضروری چیز ڈسپلن ہے۔ بدنظمی اور انتشار سے جماعت کو بچانے کی انتہائی کوشش کرنی چاہیے۔ جو لوگ جماعت کے مقصد سے دلچسپی رکھتے ہوں اور جنہیں اس بات کا احساس ہو کہ یہ ایک جماعت ہے جو دنیا میں حق کا علم بلند کرنے کے لیے اٹھی ہے اور جماعت کی ناکامی دین حق کے لیے نقصان دہ ہے۔ ان کو خود بھی بدنظمی سے بچنا چاہیے۔ کوئی کام اپنے ذمے نہ لینا اس سے بہتر ہے کہ ذمے لینے کے بعد اس کو نہ کیا جائے۔ جماعت میں نہ آنا اس سے بہتر ہے کہ جماعت میں آنے کے بعد سمع وطاعت نہ کی جائے۔ جو فیصلے جماعتی طور پر کر دیے جائیں اور جن پر عمل درآمد کا جماعتی طور پر حکم دے دیا جائے، جماعت کے اندر تمام افراد کا فرض ہے کہ ان پر عمل کریں۔ آپ اس طرزِ عمل کو جماعت کے اندر جس قدر زیادہ پرورش اور ترقی دیں گے، اتنے ہی زیادہ کامیاب ہوں گے۔

باہمی مشورہ

جماعتی زندگی میں تیسری اہم چیز یہ ہے کہ باہمی مشورے سے کام کیا جائے۔ قرآن میں واضح طور پر اہلِ ایمان کی جن صفات کی تعریف کی گئی ہے ان میں ایک

صفت یہ ہے کہ وہ اپنے معاملات مشورے سے انجام دیتے ہیں۔ استبداد بالرائے اپنی مرضی کو دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش کرنا، بغیر مشورے کے فیصلے کر ڈالنا جماعتی زندگی کے لیے انتہائی نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ فطری بات ہے کہ جس معاملہ کا فیصلہ کرنے میں آپ کی رائے شامل ہو اس سے آپ لاتعلق نہیں ہو سکتے۔ آپ نہیں کہہ سکتے کہ یہ میری رائے نہیں تھی۔ دوسروں کی مسلط کی ہوئی رائے پر آدمی اس خوش دلی سے عمل نہیں کرتا، جس طرح اس فیصلے پر کرتا ہے جس میں اس کی رائے بھی شامل ہو۔ یہ انسانی فطرت ہے اس وجہ سے جماعتی زندگی میں اس بات کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ کوئی اپنی رائے دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش نہ کرے۔ جو فیصلے بھی ہوں باہمی مشورے سے ہوں مگر اس کے ساتھ دوسری چیز اتنی ہی ضروری یہ ہے کہ جماعت میں مشورے کے بعد جب کوئی فیصلہ ہو جائے تو وہ لوگ جن کی رائے کے خلاف فیصلہ ہوا ہے وہ اکثریت کے فیصلے کو تسلیم کر لیں اور اگر وہ جماعت کے بدخواہ نہیں ہیں، بلکہ اسے کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں تو اپنی ایک ذاتی رائے رکھتے ہوئے بھی جماعت کے ساتھ کام کریں۔ الّا یہ کہ وہ سمجھتے ہوں کہ جماعت اب دین سے باہر نکل گئی ہے، یا وہ اب کتاب و سنّت کے خلاف کام کر رہی ہے لیکن اگر یہ صورت نہیں ہے تو ایسی صورت میں افراد کا کام یہ ہے کہ جماعتی مشوروں میں اپنی رائے کو پوری ایمانداری کے ساتھ ٹھیک ٹھیک بیان کر دیں۔ دلائل اور پورے زور کے ساتھ بیان کریں۔ جماعت بڑا ظلم کرے گی، اگر لوگوں کو آزادیٔ رائے کا حق نہ دے گی۔

لیکن باہمی مشورے کے بعد جب اکثریت سے یا بالاتفاق ایک فیصلہ ہو اور کسی ایک شخص کو اس سے اتفاق نہ ہو وہ اپنی رائے کو نہ چھوڑے لیکن

اس کا یہ کام ہے کہ جماعت کے فیصلے کو کامیاب بنانے کے لیے اپنا زور لگا دے ۔ جو لوگ ایسا نہیں کرتے وہ حقیقت میں خود پرستی کے مریض ہیں، اپنے آپ کو سب کچھ سمجھتے ہیں، یہ خیال کرتے ہیں کہ باقی سب جاہل ہیں، ہیں ایک عقل مند ہوں ۔ جس جگہ معاملہ ایسا ہو کہ نص صریح موجود ہو، وہاں تو خدا کا شکر ہے کہ جماعت اسلامی خواہ وہ کتنی ہی کمزوریاں اپنے اندر رکھتی ہو، جان بوجھ کر نص صریح کی خلاف ورزی نہیں کرتی، مگر جہاں معاملہ اجتہاد کا ہو یا دنیوی تدابیر کا ہو، وہاں آدمی کو اپنی جگہ سمجھنا چاہیے کہ پوری جماعت کے مقابلے میں مَیں ایک ہی عقلمند نہیں ہوں، سب سے زیادہ عالم نہیں ہوں ۔ ساری دانائی میرے حصے میں نہیں آگئی ہے ۔ جماعتی فیصلہ ہو تو اس کا کام ہے کہ اس کا ساتھ دے ۔ یہ جماعتی زندگی کے لیے ضروری ہے جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا ہے ۔ مشورے میں پوری آزادیٔ رائے ہونی چاہیے ۔ جماعت کا یہ فرض ہے کہ جماعت کے اندر ایسا ماحول طاری رکھے اور ہر وقت اس بات کو دیکھتی رہے کہ جب مشورے ہوں تو اس وقت لوگوں کو پوری آزادیٔ رائے حاصل ہو ۔ پوری قوت سے لوگ اپنی رائے کو بیان کریں ۔ جماعت کے لوگوں کے اندر یہ اسپرٹ ہونی چاہیے کہ معقول بات جب دلیل کے ساتھ آئے تو اسے قبول کرلیں، خواہ وہ ان کی رائے کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، چاہے ایک ہی آدمی اسے پیش کر رہا ہو ۔ لیکن جب بحثیں ہو چکیں، سوچ بچار کے بعد ایک فیصلہ کر لیا جائے، خواہ اکثریت کے ساتھ ہو یا بڑی اکثریت کے ساتھ یا اتفاق کے ساتھ، تو اس کے بعد تمام لوگوں کا یہ کام ہے کہ اس کے ساتھ چلیں ۔

آخر میں جو بات مجھے کہنی ہے وہ یہ ہے کہ چند باتیں ایسی بھی ہیں کہ جن سے بڑی

شدت کے ساتھ آپ لوگ پرہیز کرنے کی کوشش کریں۔

کبر و فخر

پہلی چیز یہ ہے کہ آپ کے اندر کبھی کبر اور فخر نہیں ہونا چاہیے۔ بسا اوقات مجھے یہ ڈر لگتا ہے کہ جماعت کے افراد میں اور جماعت کے اندر بحیثیت مجموعی تکبر اور فخر کی کیفیت پیدا نہ ہو جائے۔ بسا اوقات باتیں کرتے وقت جب مخالفین سے سابقہ پیش آتا ہے تو اس وقت ہمیں مجبوراً ایسی بات بھی کرنی پڑتی ہے، جس سے ہمیں بتانا پڑتا ہے کہ ہمیں جتنا بدنام کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، اس کے مقابلے میں ہمارے اندر یہ خوبیاں ہیں، اور یہ یہ کام ہم نے کیے ہیں۔ اس طرح کی چیز بسا اوقات ناگزیر ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسے موقع پر اگر کچھ کہہ بھی دیا جائے تو اپنا ہر وقت جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ اس کا محرک کبر و فخر تو نہیں ہے۔ اپنی جگہ جس وقت ہم نے یہ سمجھ لیا کہ ہم بڑی چیز ہو گئے ہیں، تو ہم چھوٹی چیز ہو جائیں گے اور جب کبھی اپنے ہمارے اندر فخر کا جذبہ پیدا ہوا اور ہم دوسروں پر یہ رعب گانٹھنے کی کوشش کرنے لگے کہ ہم ایسے اور ایسے ہیں تو حقیقت میں ہمارے اندر اگر کوئی خوبیاں ہیں بھی، تو وہ سب برائی کی نذر ہو جائیں گی۔

کبر و فخر سے زیادہ خطرناک کوئی چیز نہیں۔ اسی کبر و فخر کا نتیجہ خود پسندی و تعلی ہوتا ہے، جو ایک فرد کو بھی گراتا ہے اور ایک جماعت کو بھی۔ اگر کوئی جماعت تعلی و خود پسندی میں مبتلا ہو جائے تو وہ گر جاتی ہے۔ اور اگر کوئی فرد دوسروں کی لیتا ہے اور بڑائی کو لوگوں پر مسلط کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔ اس

چیز سے اپنے آپ کو بچانے کی انتہائی کوشش کریں۔ اور جب کبھی ہمارے کوئی رفیق کسی مخالف کے الزامات کے جواب میں کوئی ایسی بات کہہ دیں جس کے اندر سے کبر اور فخر کی بو آتی ہو تو علیحدگی میں اسے سمجھانے کی کوشش کریں۔

ریاکاری

اسی طرح سے ریاکاری اور نمود و نمائش اور خلق خدا کی تحسین کی فکر سے بھی اپنے آپ کو بچایئے۔ ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہے وہ اللہ کے لیے کرنا ہے اور پورے اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کے لیے کرنا ہے، کسی دوسرے کی تحسین کی ہمیں حاجت نہیں۔ ساری دنیا اگر ہماری برائی کرے تب بھی ہمیں بھلائی کے لیے جو کام کرنا ہے وہ کریں گے خواہ دنیا ہماری تعریف کرے یا برائی۔ ان دونوں چیزوں سے بے نیاز ہو کر ہمیں خالص خدا کے لیے کام کرنا ہے۔ اگر آپ کے کسی کام میں ریا آجائے، نمود و نمائش کا جذبہ آجائے یا یہ فکر آجائے کہ فلاں کام کریں تو لوگوں میں ہماری عزت بڑھے گی اور ہماری تعریف ہوگی تو یہ چیز جہاں آئی حقیقت میں آپ کی ساری نیکی برباد ہو جائے گی۔ ریا کو حدیث میں شرک سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جو شخص ریاکاری کرتا ہے خلقِ خدا کی تحسین و تعریف کے لیے کام کرتا ہے۔ درحقیقت وہ اپنا معبود خلق خدا کو بنا رہا ہے۔ جو خدا کے لیے کام کرنے والا ہے وہ خدا کے سوا کسی پر نگاہ نہیں رکھتا۔ کسی دوسرے کا اجر یا کسی دوسرے کی جزا اس کو مطلوب نہیں۔

یہ دو چیزیں ایسی ہیں جن کے متعلق میں چاہتا ہوں کہ ہمارا ہر رفیق اپنی

گرہ میں اس کو باندھ لے کر ہم کو ان برائیوں سے ناگزیر طور پر بچنا ہے۔

خالص خدا کے لیے کام کیجیے، ریاکاری سے بچیے، کبر اور فخر کے جذبے کو اپنے اندر پیدا نہ ہونے دیجیے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین